سورۃ التغابن

آیاتھا ۱۸ ۞ ۶۴ سورۃ التغابن مدنیۃ ۱۰۸ ۞ رکوعاتھا ۲

اکثر علماء کے قول میں یہ سورت مدنی ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ مکی ہے (1)۔ کلبی نے کہا: یہ مکی اور مدنی ہے (2)۔ اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس وقت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر آخری آیات حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں اپنے اہل اور اولاد کی زیادتی کی شکایت کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ سورت کے آخر تک۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی بچہ جنم نہیں لیتا مگر اس کے سر کے جوڑے (بالوں) میں سورۃ تغابن کی پہلی پانچ آیت لکھی ہوتی ہیں'' (3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ ۫ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۱ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۲

''اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے، اس کی حکومت ہے اور اس کے لیے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں، اور اللہ تعالیٰ، جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے''۔

پہلی آیت کی تفسیر پہلے کئی دفعہ گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو مومن اور کافر پیدا کیا قیامت کے روز انہیں مومن، کافر کی حیثیت سے دوبارہ اٹھائے گا (4)۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت نقل کی گئی ہے۔ کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے پہر ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں آئندہ ہونے والے امور کے بارے میں ذکر کیا (5)۔ فرمایا: ''لوگ مختلف طبقات میں جنم لیتے ہیں ایک آدمی مومن کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے، مومن کی حیثیت میں زندہ رہتا ہے اور مومن کی حیثیت میں مرجاتا ہے۔ ایک آدمی کافر کی حیثیت میں جنم لیتا ہے، کافر کی حیثیت میں زندہ رہتا ہے اور کافر کی حیثیت میں مرجاتا ہے''۔ حضرت ابن

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 20 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحہ 3538
4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 63 5۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، جلد 2، صفحہ 42

مسعود بنی اللہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کی ماں کے پیٹ میں کافر پیدا کیا اور حضرت یحییٰ بن زکریا کو اپنی ماں کے پیٹ میں مومن پیدا کیا" (1)۔ صحیح میں حضرت ابن مسعود بنی اللہ سے روایت مروی ہے: "تم میں سے کوئی جنتیوں کا سا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے درمیان اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ یا باع (دونوں بازوں کو پھیلایا جائے تو ان کے درمیان کا فاصلہ) کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھی ہوئی تقدیر غالب آ جاتی ہے تو وہ جہنمیوں کا سا عمل کرتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک آدمی جہنمیوں کا سا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ یا باع کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے تو وہ جنتی کا سا عمل کرتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے☆" اسے امام بخاری اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے، اس میں باع کا ذکر نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایک آدمی جنتی کا سا عمل کرتا ہے ان امور میں جو لوگوں کے لئے ظاہر ہوتے ہیں جبکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور ایک آدمی ظاہر میں جہنمی کا سا عمل کرتا ہے جبکہ وہ جنتی ہوتا ہے" (2)۔ ہمارے علماء نے کہا: ان احادیث کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے معلوم کے ساتھ متعلق ہے تو وہی کچھ ہوتا ہے جو اس کے علم میں ہوتا ہے، جس کا وہ ارادہ کرے اور جو وہ حکم دے وہ عام احوال میں کبھی ایک شخص کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے اور کبھی معلوم وقت تک ایمان کا ارادہ کرتا ہے۔ یہی حالت کفر کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے (3): کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے فمنکم مؤمن و منکم کافر و منکم فاسق کلام سے حذف اس لئے ہوا کیونکہ کلام میں ایسی چیز موجود ہے جو اس کے حذف پر دلالت کرتی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس میں کوئی حذف نہیں کیونکہ مقصود دونوں طرفوں کا ذکر ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا پھر انہوں نے کفر کیا اور وہ ایمان لائے۔ انہوں نے کہا: تمام کلام هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ہے پھر ان کی صفت لگائی۔ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ (النور: 45) انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا اور چلنا انسانوں کا فعل ہے؛ اس قول کو حسین بن فضل نے اختیار کیا ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن و کافر کی حیثیت سے پیدا کیا ہوتا تو ان کی صفت اس انداز میں نہ بتاتا فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استنباط کیا ہے: "ہر بچے کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں، اسے نصرانی بناتے ہیں اور اسے مجوسی بناتے ہیں" (4)۔ سورۂ روم میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ ضحاک نے کہا: تم میں سے کچھ اندر سے کافر اور باہر سے مومن ہیں جس طرح منافق ہوتے ہیں۔ تم میں سے کچھ اندر سے مومن اور باہر سے کافر ہوتے ہیں جس طرح حضرت عمار (5) وغیرہ۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: تم میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے والے اور ستاروں کا انکار کرنے

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 64 2۔ صحیح مسلم، کیفیۃ خلق آدم، جلد 2، صفحہ 334 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 21

4۔ صحیح مسلم، ابواب القدر، جلد 2، صفحہ 336 5۔ حضرت عمار کو مشرکین مکہ نے اذیتیں دیں اور کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا۔

☆۔ جامع ترمذی، باب ما جاء ان الاعمال بالخواتیم، حدیث نمبر 2063، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

والے ہوتے ہیں یعنی یہ انواء (ستاروں) کے بارے میں ہے (1)۔ زجاج نے کہا: یہ بہترین قول ہے؛ جو ائمہ اور جمہور امت کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافر کو پیدا کیا اور اس کا کفر اس کا اپنا فعل اور کسب ہے جبکہ اس کے فعل کفر کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے مومن کو پیدا کیا اس کا ایمان اس کا فعل اور کسب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ایمان کا خالق ہے کافر کفر کرتا ہے اور کفر کو پسند کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو پہلے پیدا کیا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو اس پر قدرت دی اور اس سے کفر کے وقوع کو جانتا تھا۔ یہ جائز نہیں کہ ان دونوں سے اس کے علاوہ کوئی چیز پائی جائے جن پر اللہ تعالیٰ نے اسے قادر بنایا تھا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کیونکہ مقدور کے خلاف کا پایا جانا یہ عاجزی ہے اور معلوم کے خلاف کا پایا جانا جہالت ہے۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں اس قول میں انسان جبر وقدر کے قول سے محفوظ رہتا ہے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

یا ناظرا فی الدین ما الامر		لا قدر صح ولا جبر

اے دین میں غور وفکر کرنے والے! یہ معاملہ کیا ہے نہ قدر (2) صحیح ہے اور نہ جبر (3) صحیح ہے۔ سیلان نے کہا: ایک بدو بصرہ میں آیا۔ اسے کہا گیا: تو قدر کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: یہ ایسا امر ہے جس میں گمانات بہت بڑھ گئے ہیں اور اختلاف کرنے والوں نے اس میں اختلاف کیا ہے ضروری ہے کہ ہم پر جو اس کے حکم میں سے معاملہ مشتبہ ہو جائے ہم اسے اس کے علم کی طرف پھیر دیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝

''اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا اور اس کی طرف سب نے اٹھنا ہے''۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ اس کی تفسیر کئی مواقع پر گزر چکی ہے یعنی اسی نے انہیں پیدا کیا ہے۔ یہ امر حق ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باء، لام کے معنی میں ہے، یعنی انہیں حق کے لئے پیدا فرمایا۔ مراد ہوگا جنہوں نے برے اعمال کئے انہیں ان کے عمل کی جزا دے اور جنہوں نے اچھا عمل کیا انہیں اچھائی کا بدلہ عطا فرمائے۔ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں (4) اللہ تعالیٰ نے آپ کی کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ (۲) تمام مخلوق مراد ہے۔ (۳) تصویر کا معنی گزر چکا ہے اس سے مراد خط لگانا اور شکل وصورت بنانا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: ان کی صورتوں کو کیسے اچھا بنایا؟ تو اسے جواب دیا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے اسے تمام حیوانوں سے اچھا بنایا اور سب سے زیادہ خوبصورت بنایا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان یہ تمنا نہیں کرتا کہ اس کی صورت اس کے خلاف ہو جو اس نے تمام صورتیں دیکھی ہیں۔ اس کی حسین صورت سے مراد یہ بھی ہے کہ اسے سیدھا پیدا کیا وہ جانوروں کی طرح منہ کے بل گرا ہوا نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ (التین) اس کی وضاحت ان شاء اللہ

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 64
2۔ انسان کا اپنے افعال کا خالق ہونا۔
3۔ انسان کا مجبور محض ہونا۔ جبریہ اور قدریہ دو مکاتب فکر ہو گزرے ہیں
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 21

آئے گی۔ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ اس کی طرف سب کا اٹھنا ہے وہ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

''وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے''۔

اس آیت کی تفسیر کئی مواقع پر گزر چکی ہے وہ عالم غیب وشہادت ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''کیا نہیں آتی تمہارے پاس اس کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کام (یعنی کفر) کا وبال اور اس کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے''۔

خطاب قریش کو ہے یعنی کیا تمہارے پاس گزری ہوئی امتوں کے کفار کی خبر نہیں پہنچی۔ انہیں دنیا میں بھی ان کے اعمال پر سزا دی گئی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

''اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے: کیا انسان ہماری رہبری کریں گے، پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور سب خوبیاں سراہا ہے''۔

انہیں یہ عذاب اس وجہ سے آیا کہ انہوں نے ان رسولوں کا انکار کیا جو ان کے پاس واضح دلیل لائے انہوں نے انکار کر دیا کہ رسول بشر بھی ہو سکتا ہے بشر مبتدا ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل مضمر ہے اور اس میں جمع کا معنی ہے اسی وجہ سے يَّهْدُوْنَنَا ارشاد فرمایا۔ يهدينا نہیں فرمایا۔ بعض اوقات واحد، جمع کے معنی میں ہوتا ہے تو وہ اسم جنس ہوتا ہے اس کا واحد انسان ہے لفظوں میں اس کا کوئی واحد نہیں۔ بعض اوقات جمع واحد کے معنی میں آتا ہے جس طرح فرمایا: مَا هٰذَا بَشَرًا (یوسف: 31) انہوں نے اس قول اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا کے ساتھ انکار کیا۔ انہوں نے یہ قول ان کے چھوٹے پن کو ظاہر کرنے کے لئے کیا تھا۔ انہیں علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے رسولوں کا انکار کیا ہر طرف سے روگردانی کی اور ایمان وموعظت سے اعراض برتا۔

اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت کی وجہ سے بندوں کی طاعت سے مستغنی ہے اسے بندوں کی طاعت کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو برہان ظاہر کی ہے اور جس امر کو واضح کیا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان

سے اس امر کے بارے میں بے نیاز ہو گیا ہے کہ ان پر مزید کوئی کرم نوازی فرمائے جو انہیں ہدایت کی طرف لوٹائے اور ہدایت کی طرف لے جائے (1)۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

''گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا فرمایئے: کیوں نہیں، میرے رب کی قسم! تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے، اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے بالکل آسان ہے''۔

کافروں نے یہ گمان کیا کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ زعم سے مراد گمان رکھتے ہوئے کوئی بات کرنا۔ شریح نے کہا: ہر شی کی کنیت ہے اور کذب (جھوٹ) کی کنیت زعموا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عاص بن وائل سہمی اور حضرت خباب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جس کی وضاحت سورۂ مریم کے آخر میں گزر چکی ہے پھر ہر کافر کو شامل ہو گئی۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے: کیوں نہیں، تمہیں ضرور تمہاری قبروں سے زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں آگاہ کیا جائے گا۔ دوبارہ اٹھانا اللہ تعالیٰ کے لئے پہلی دفعہ پیدا کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

''پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے''۔

قیامت کی پہچان کرانے کے بعد انہیں ایمان کا حکم دیا۔ نور سے مراد قرآن ہے۔ یہ ایسا نور ہے جس کے ذریعے گمراہی کی تاریکی سے ہدایت دی جاتی ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

''جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرما دے گا اس سے اس کے گناہوں کو اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد، یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ یوم میں عامل لَتُنَبَّؤُنَّ ہے یا خَبِيْرٌ ہے کیونکہ اس میں وعید کا معنی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 21 2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 22

موجود ہے۔ گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے گا جس دن تمہیں جمع کرے گا یا اذکر فعل جو مضمر ہے وہ اس میں عامل ہے۔ غبن کا معنی نقص ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنه غبنا جب کم قیمت کے ساتھ وہ کوئی چیز لے عام قرات یَجْمَعُكُم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿ (الحدید) اس کے بارے میں خبر دی اور اللہ تعالیٰ کا نام پہلے ذکر کیا ہے اس لئے ضمیر اس کے مناسب ہے۔

نصر، ابن ابی اسحاق، جحدری، یعقوب اور سلام نے نجمعکم پڑھا۔ یہ قراء وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا کی موافقت کا اعتبار کرتے ہیں۔ یوم الجمع سے مراد وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ اولین، آخرین، انسانوں، جنوں، آسمان والوں اور زمین والوں کو جمع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس روز اللہ تعالیٰ ہر بندے اور اس کے عمل کو جمع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یوم الجمع اس لیے فرمایا کیونکہ اس میں وہ ظالم اور مظلوم کو جمع فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ ہر نبی اور اس کے امتی کو جمع فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ اہل طاعت کے ثواب اور اہل معصیت کے عقاب کو جمع فرمائے گا۔

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ یہ قیامت کا دن ہے (1)۔ جس طرح کہا:

الا إنما الراحات يوم التغابن   خبردار! راحتیں قیامت کے دن ہی ہوں گی۔

یوم قیامت کو یوم تغابن کا نام دیا کیونکہ اس میں جنتی، جہنمیوں سے غبن کریں گے یعنی جنتی جنت لے لیں گے اور جہنمی جہنم کو لے لیں گے۔ یہ مبادلہ کے طریقہ پر ہوگا۔ غبن اس لیے واقع ہوگا کیونکہ انہوں نے خیر کو شر، عمدہ کو ردی اور نعیم کو عذاب کے بدلے بدلا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنت فلانا جب تو اس کے ہاتھ بیچے یا اس سے خریدے اور نقص و کمی اس پر واقع ہو اور غلبہ تیرے لیے ہو یہی کیفیت اہل جنت اور اہل نار کی ہوگی جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غَبِنْتُ الثوب وخبنتُه جب وہ تیری مقدار اور قد سے لمبا ہو اور اس سے کسی چیز کو سی دے تو یہ بھی نقصان ہے۔ مغابن جوڑ ھانچے اور ہیئت میں سے دہری ہو جائے جس طرح ابطین (بغلیں) اور فخذین (دونوں رانیں) مفسرین نے کہا: مغبون اسے کہتے ہیں جنت میں جس کے اہل اور منازل میں غبن واقع ہو جائے۔ اس روز ایمان کے ترک کرنے کی وجہ سے ہر کافر خسارے میں ہوگا اور ہر مومن کا نقصان احسان میں کوتاہی اور دنوں کو ضائع کرنے کی وجہ سے ظاہر ہوگا۔ زجاج نے کہا: جنت میں جس کی منزل بلند ہوگی وہ کم مرتبہ سے غبن کرنے والا ہوگا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اگر یہ کہا جائے: وہ کون سا معاملہ ہے جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوا یہاں تک کہ اس میں غبن واقع ہوا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیع و شراء میں غبن میں مجاز کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (البقرۃ: 16) جب یہ فرمایا کہ کفار نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے حاصل کر لیا اور انہوں نے تجارت میں کوئی نفع حاصل نہ کیا بلکہ انہوں نے نقصان اٹھایا تو یہ بھی ذکر کیا کہ ان کے ساتھ غبن کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 23

ہے کہ جنتیوں نے دنیا ترک کر کے آخرت کو خریدا اور جہنمیوں نے آخرت ترک کر کے دنیا کو خریدا۔ مجازاً یہ بھی مبادلہ کی ایک صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو اجزاء میں تقسیم کیا۔ ایک فریق جنت میں اور ایک فریق آگ میں، ہر ایک کی منازل جنت اور جہنم میں رکھی گئی ہیں۔ یہ امر حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بے یار و مددگار چھوڑنا بندے پر غالب آ جاتا ہے جس طرح ہم اس سورت اور دوسری سورتوں میں بیان کر چکے ہیں تو وہ جہنمی ہو جاتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق حاصل ہوتی ہے اسے محروم کا مکان بھی دے دیا جاتا ہے اور جس کو توفیق حاصل ہوتی ہے جہنم میں اس کا مکان محروم کو دے دیا جاتا ہے، گویا یوں مبادلہ واقع ہوا اور تغابن حاصل ہوا۔ لغت اور قرآن میں بے شمار امثلہ موجود ہیں۔ نثر آثار میں ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے جبکہ اس کتاب میں یہ بکھری ہوئی ہیں۔ بعض اوقات اس تبادلہ کو وراثت سے تعبیر کیا گیا ہے جس طرح ہم نے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (المومنون) میں بیان کیا ہے۔ بعض اوقات تغابن اس دن کے علاوہ میں واقع ہوتا ہے جس کی وضاحت بعد میں آئے گی لیکن یہاں ایسے تغابن کا ارادہ کیا جس کی کمی کو پورا کرنے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ وہ تغابن انتہاء درجے کا ہے۔ حسن بصری اور قتادہ نے کہا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ تغابن کی تین قسمیں ہیں۔ ایسا آدمی جس نے علم سیکھا اسے دوسرے لوگوں کو سکھایا اور خود اسے ضائع کر دیا، اس پر عمل نہ کیا تو وہ بدبخت ہو گیا۔ جس نے اس سے سیکھا تھا اس نے اس پر عمل کیا تو وہ نجات پا گیا۔ ایک ایسا آدمی جس نے کئی طریقوں سے مال کمایا اس سے مال کا سوال کیا جاتا ہے اور وہ بخل سے کام لیتا ہے اور وہ اس کے باعث اپنے رب کی اطاعت میں کوتاہی کرتا ہے اور اس مال میں کوئی بھلائی کا کام نہیں کرتا، وہ اس مال کو وارث کے لیے چھوڑ جاتا ہے اس مال میں اس کے لیے کوئی نفع نہیں۔ وہ وارث اس مال میں اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے۔ ایک ایسا آدمی جس کا ایک غلام تھا، وہ آدمی اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے اور سعادت مند ہو جاتا ہے اور آقا اپنے رب کی معصیت کرتا ہے تو وہ بدبخت ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ مرد اور عورت کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو فرمائے گا: تم دونوں کہو جو تم کہنا چاہتے ہو۔ مرد عرض کرے گا: اے میرے رب! تو نے اس کا نفقہ مجھ پر لازم کیا۔ میں نے اسے حلال و حرام سب کھلایا۔ یہ مدعی اس مال کا مطالبہ کرتے ہیں میرے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں جو ان کے حقوق پورے کر سکوں۔ عورت عرض کرے گی: اے میرے رب! ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اسے کہا ہو کہ تو حرام مال حاصل کر۔ میں نے اسے حلال سمجھ کر ہی کھایا اور اس نے میری رضا کی خاطر تیری نافرمانی کی۔ میں اس کے لیے اس پر راضی نہیں اسے اپنی رحمتوں سے دور کر دے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو نے سچ کہا۔ اسے جہنم کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا اور عورت کو جنت کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ وہ عورت جنت کے درجات سے اس کی طرف جھانکے گی اور اسے کہے گی: غبناک، غبناک جس کے ساتھ تو بدبخت ہوا ہم اس کے ذریعے سعادت مند ہوئے۔ یہی یوم تغابن ہے“۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ سے یہ استدلال کیا ہے کہ دنیاوی معاملات میں بھی غبن جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تغابن کو قیامت کے دن کے ساتھ خاص کیا ہے۔ فرمایا: ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ یہ اختصاص اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ دنیا میں کوئی غبن نہیں جب کوئی آدمی بیع میں غبن پر مطلع ہو تو جب وہ ثلث پر زائد ہو تو اسے

رد کر دیا جائے گا؛ بغدادیوں نے اسے اختیار کیا ہے اور کئی وجوہ سے اس پر استدلال کیا۔ ان میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حبان بن منقذ کے لیے ارشاد ہے: إذا بايعت فقل لا خلابة ولك الخيار ثلاثا جب تو خرید و فروخت کرے تو کہہ دے: کوئی دھوکہ نہیں ہوگا اور تیرے لیے تین دن تک خیار (شرط) ہوگا۔ اس میں طویل سوچ و بچار کی ضرورت ہے۔ ہم نے اسے اختلافی مسائل میں ذکر کیا ہے۔ اس کا نکتہ یہ ہے کہ دنیا میں غبن بالاجماع ممنوع ہے یہی دین کا حکم ہے کیونکہ غبن دھوکہ کے باب سے تعلق رکھتا ہے جو ہر ملت میں شرعاً حرام ہے لیکن تھوڑے سے غبن سے عموماً بچنا ممکن نہیں۔ شرع میں یہ امر گزر چکا ہے۔ اگر ہم اس کے لوٹانے کا حکم دیں تو بیع کبھی بھی نافذ نہ ہو سکے گی کیونکہ بیع تھوڑے بہت غبن سے خالی نہیں ہوتی۔ ہاں کثیر سے احتراز ممکن ہے تو اسے رد کرنا واجب ہے۔ قلیل اور کثیر میں فرق شریعت میں معلوم و معروف قاعدہ ہے ہمارے علماء نے اس حد کے لیے ثلث کو مقدر کیا ہے کیونکہ وہ ثلث (ایک تہائی) کو وصیت وغیرہ میں پاتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا وہ تغابن کا دن ہے جو مطلقاً جائز ہے اس کی کوئی تفصیل نہیں یا وہ ایسے تغابن کا دن ہے جس کا کبھی بھی تدارک نہ کیا جا سکے گا کیونکہ دین کا تغابن دو طریقوں سے دور کیا جا سکتا ہے۔ بعض اموال میں رد کرنے کے ساتھ یا کسی دوسری بیع یا دوسرے سامان میں نفع حاصل کرنے کے ساتھ مگر جو آدمی جنت کو پانے میں خسارہ میں رہا تو اس کا کبھی بھی تدارک نہیں کیا جا سکتا۔ بعض صوفیاء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر غبن کو لکھ دیا ہے۔ کوئی آدمی بھی اپنے رب سے ملاقات نہیں کرے گا مگر وہ مغبون ہوگا کیونکہ اس کے لیے عمل میں پورا حق ادا کرنا ممکن نہیں یہاں تک کہ اسے پورا ثواب حاصل ہو۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا يلقى الله أحد إلا نادما إن كان مسيئا إن لم يحسن وإن كان محسنا إن لم يزدد (1) کوئی بندہ اللہ سے ملاقات نہیں کرے گا مگر وہ نادم ہوگا۔ اگر گناہگار ہوگا تو وہ کہے گا: اس نے اچھا عمل کیوں نہیں کیا اگر وہ محسن ہوگا تو وہ کہے گا: اس نے زیادہ عمل کیوں نہیں کیا۔ نافع اور ابن عامر نے یکفر اور یدخلہ کو نون کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑩

''جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہی بات بری پلٹنے کی جگہ ہے''۔

آیاتنا سے مراد قرآن ہے۔ جب مومنوں کے لیے جو کچھ ہے اس کا ذکر کیا تو جو کچھ کافروں کے لیے ہے اس کا بھی ذکر کیا جس طرح کئی مواقع پر پہلے گزر چکا ہے۔

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑪

''نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مصیبت بجز اللہ کے اذن کے اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو

1۔ احکام القرآن لابن العربی

ہدایت بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ اذن سے مراد ارادہ اور قضا ہے۔ فراء نے کہا: مراد اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ کفار نے کہا: جس پر مسلمان ہیں اگر یہ حق ہوتا تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں مصائب سے محفوظ رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کیا کہ نفس، مال، قول یا فعل میں جب بھی مصیبت واقع ہوتی ہے وہ بے چینی اور غم کا تقاضا کرتی ہے یا ایسے عقاب کا تقاضا کرتی ہے جو جلدی واقع ہونے والا ہوتا ہے یا دیر سے واقع ہونے والا ہوتا ہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم اور قضا سے ہوتا ہے۔

وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ جو اس امر کی تصدیق کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی مصیبت نہیں پہنچتی۔ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ تو صبر و رضا کی طرف اس کے دل کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے دل کو ایمان پر مضبوط کرتا ہے۔ ابو عثمان جیزی نے کہا: جس کا ایمان صحیح ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اتباع سنت کی ہدایت دیتا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتا ہے مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت عطا فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ (البقرۃ)؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے (3)۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے تاکہ اسے علم ہو کہ اسے جو مصیبت پہنچی ہے وہ چھوٹنے والی نہ تھی اور جو اسے نہیں پہنچی وہ اسے پہنچنے والی نہ تھی (4)۔ کلبی نے کہا: جب اسے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور جب اس پر انعام کیا جاتا ہے تو وہ شکر بجالاتا ہے اور جب اس پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ جنت میں ثواب پانے کی طرف اس کے دل کی رہنمائی کرتا ہے۔ عام قرأت یَهۡدِ ہے یاء پر فتحہ اور دال کے نیچے کسرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پہلے نام ذکر کیا گیا ہے۔ سُلمی اور قتادہ نے یهد قلبه پڑھا ہے۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے اور قلبه کی باء مرفوع ہے کیونکہ یہ فعل مجہول کا نائب فاعل ہے۔

طلحہ بن مصرف اور اعرج نے اسے نهد پڑھا ہے۔ یہاں نون تعظیم کے لیے ہے اور قلبه کی باء پر زبر ہے۔ عکرمہ نے يهدا قلبه پڑھا ہے، یعنی اس کا دل سکون پاتا ہے اور مطمئن ہوتا ہے۔ اس کی مثل مالک بن دینار کی قرأت ہے مگر اس میں ہمزہ کو ضغطہ کے ساتھ نہیں پڑھا بلکہ ہمزہ کو لینہ پڑھا ہے۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝ جس نے اس کی اطاعت کی اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا، اس کی اطاعت شعاری اس پر مخفی نہیں اور جس نے اس کو نہ مانا اس کی کراہت بھی اس پر مخفی نہیں۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ۝

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝

"اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی پھر اگر تم نے روگردانی کی (تو تمہاری قسمت) ہمارے رسول

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 23 2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 66 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 22
4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 66 5۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 22

کے ذمہ فقط کھول کر (پیغام) پہنچانا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں پس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو"۔

مصائب کو اپنے اوپر ہلکا جانو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھو اور سنت پر عمل کرنے میں اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم اطاعت سے روگردانی کرو گے تو اللہ کے رسول کے ذمہ تو صرف پیغام حق پہچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کوئی خالق نہیں اس پر بھروسہ کرو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

"اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے بچے دشمن ہیں پس ہوشیار رہو ان سے، اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت مدینہ طیبہ میں حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی بیوی اور اولاد کی جفا کی شکایت کی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ طبری نے عطا بن یسار سے روایت نقل کی ہے کہ سورۂ تغابن پوری کی پوری مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر یہ آیات حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں (1)۔ وہ اہل و اولاد والے تھے۔ جب حضرت مالک جہاد پر جانے کا ارادہ کرتے تو یہ روتے اور انہیں نرم کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ کہتے: آپ ہمیں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ تو حضرت مالک بھی ان کے لیے نرم ہو جاتے اور اپنے گھر میں ہی رہ جاتے تو یہ آیت ان کے حق میں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ باقی آیات سورت کے آخر تک مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ایک آدمی نے آپ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: یہ کچھ لوگ تھے جو اہل مکہ میں سے تھے، وہ مسلمان ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور بچوں نے انکار کر دیا کہ وہ انہیں چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں جب وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ دین میں کافی تفقہ حاصل کر چکے ہیں تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اپنی بیویوں اور اولادوں کو سزا دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (2)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: یہ عداوت کی وجہ کی و... ت کرتی ہے کیونکہ دشمن اپنی ذات کی وجہ سے

1۔ تفسیر طبری، جز 28، صفحہ 140

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 165۔ ایضاً، باب ومن سورۃ التغابن، حدیث 3239، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

دشمن نہیں ہوتا وہ اپنے فعل کی وجہ سے دشمن ہوتا ہے(1)۔ جب بیوی اور اولاد دشمنوں کا سا عمل کرے تو وہ دشمن ہی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی قبیح فعل نہیں ہو سکتا کہ وہ بندے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں حائل ہو جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شیطان انسان کے لیے ایمان کے راستہ میں بیٹھتا۔ اسے کہتا: کیا تو ایمان لاتا ہے اور اپنے سابقہ دین اور اپنے آباء کے دین کو چھوڑتا ہے؟ انسان اس کی مخالفت کرتا ہے، ایمان لاتا ہے۔ وہ ہجرت کے راستہ پر بیٹھتا اور اسے کہتا: کیا تو اپنے مال اور اپنے اہل کو چھوڑتا ہے؟ انسان اس کی مخالفت کرتا ہے اور ہجرت کرتا ہے۔ پھر وہ جہاد کے راستہ پر بیٹھتا ہے اسے کہتا ہے کیا تو جہاد کرتا ہے اپنے نفس کو قتل کرتا ہے تو تیری عورتوں سے نکاح کیا جائے گا اور تمہارا مال تقسیم کر دیا جائے گا؟ انسان اس کی مخالفت کرتا ہے، وہ جہاد کرتا ہے اور شہید ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے''(2)۔ شیطان کے بیٹھنے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) وسوسہ کے ذریعے۔ (۲) وہ انسان جس کا ارادہ کرتا ہے اس کو روکنے کے لیے خاوند، بچے اور ساتھی کو برانگیختہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (فصلت: 25) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت کی باتوں میں سے ہے: جس نے اہل، مال اور اولاد کو ہی لازم پکڑ لیا تو وہ دنیا کا بندہ ہے۔ صحیح حدیث میں اس سے ادنیٰ کی حالت کا ذکر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دینار کا بندہ ہلاک ہو، درہم کا بندہ ہلاک ہو، خمیصہ (سیاہ رنگ کی مربع چادر جس میں دھاریاں ہوں) کا بندہ ہلاک ہو، قطیفہ (بڑی چادر) کا بندہ ہلاک ہو، وہ ہلاک و برباد ہو اور جب اسے کانٹا چبھے تو اس کا کانٹا نہ نکلے''(3)۔ دینار اور درہم کی عبادت سے بڑھ کر کوئی کمینگی نہیں اور کوئی خواہش اس سے پست خواہش نہیں ہو سکتی جو نئے کپڑے کے ساتھ پوری ہو جاتی ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس طرح مرد کے لیے اس کی اولاد اور اس کی بیوی دشمن ہوتی ہے اسی طرح عورت کے لیے اس کا خاوند اور اس کی اولاد اس معنی میں بعینہ اس کی دشمن ہوا کرتی ہے۔ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ کے عموم میں مذکر اور مونث دونوں داخل ہیں کیونکہ یہ دونوں آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَاحْذَرُوْهُمْ اپنے بارے میں ان سے ہوشیار رہو۔ اپنی ذات کے بارے میں محتاط ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) دین میں ضرر کی وجہ سے۔ (۲) بدن میں ضرر کی وجہ سے۔ جسم کا ضرر دنیا سے متعلق ہے اور دین کا ضرر آخرت سے متعلق ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندے کو اس سے خبردار کیا اور اس سے ڈرایا۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ طبری نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ کوئی آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا ارادہ کرتا تو اس کے گھر والے اسے کہتے: تو کہاں جاتا ہے اور تو ہمیں کہاں چھوڑے جا رہا ہے(4)؟ جب وہ اسلام لے آیا اور اس نے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کر لی تو اس نے کہا: میں ان کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1817
2۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، من اسلم وہاجر وجاہد، جلد 2، صفحہ 57
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1819
4۔ تفسیر طبری، جز 28، صفحہ 140

طرف ضرور جاؤں گا جو مجھے اس سے منع کرتے تھے اور میں یہ یہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ مجاہد نے اس آیت کے بارے میں کہا: انہوں نے دنیا میں ان سے کوئی دشمنی نہیں کی لیکن ان کی محبت نے انہیں اس امر پر برانگیختہ کیا کہ وہ ان کے لیے حرام مال حاصل کریں اور انہیں دے دیں۔ آیت ہر معصیت کو عام ہے۔ انسان اپنے دین اور مال کی وجہ سے ان کا ارتکاب کرتا ہے۔ سبب نزول کا خصوص، حکم کے عموم کے مانع نہیں۔

إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

''بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے''۔

إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ فتنہ سے مراد آزمائش اور امتحان ہے جو تمہیں حرام چیز کے کمانے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو روکنے پر برانگیختہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معصیت کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کرو۔ حدیث میں ہے یُؤتیٰ برجل یوم القیامة فیقال أَكَلَ عِيَالُهُ حسناته (1) قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا اسے کہا جائے گا: اس کے عیال اس کی نیکیاں کھا گئے ہیں۔ بعض سلف صالحین سے مروی ہے: عیال طاعات کے لیے گھن ہے۔ قتیبی نے کہا: فتنہ کا معنی ہے دلدادہ ہونا یہ جملہ بولا جاتا ہے: فتن الرجل بالمرأة مرد عورت کی محبت میں مبتلا ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فتنہ کا معنی امتحان ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

لقد فتن الناس بدينهم ''لوگ اپنے دین میں امتحان میں پڑ گئے''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے فتنہ سے محفوظ رکھ کیونکہ تم میں سے کوئی بھی اپنے دین، مال اور اولاد کی طرف نہیں لوٹتا مگر وہ فتنہ پر مشتمل ہوتا ہے بلکہ وہ یہ کہے: اللّٰھُمَّ إنّی أعوذبك من مضلات الفتن، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے فتنوں سے جو گمراہ کرنے والے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مِنْ أَزْوَاجِكُمْ میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے کیونکہ وہ سارے کے سارے اعداء نہیں (2)۔ إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ میں مِنْ ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ دونوں چیزیں فتنہ اور دل کی مشغولیت سے خالی نہیں۔

امام ترمذی وغیرہ نے عبداللہ بن بریدہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آئے جبکہ ان پر سرخ قمیصیں تھیں۔ وہ چل رہے تھے اور لڑکھڑا رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اترے، ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھالیا پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں بچوں کو چلتے ہوئے اور لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو میں صبر نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی گفتگو کو قطع کیا اور ان دونوں کو اٹھالیا'' (3)۔ پھر آپ خطبہ میں شروع ہو گئے۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 550 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 164

3۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، مناقب الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما، جلد 2، صفحہ 218۔

ایضاً، سنن ابی داود، حدیث نمبر 935، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 3589، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝ اجر عظیم سے مراد جنت ہے۔ یہ غایت ہے مفسرین کے قول کے مطابق اس سے بڑھ کر کوئی اجر نہیں۔ صحیحین میں حدیث ہے۔ الفاظ بخاری کے ہیں (1)۔ حضرت ابو سعید خدری بنی شد سے روایت مروی ہے رسول اللہ سلی ٹیلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا: اے جنتیو! وہ عرض کریں گے: لبیک و سعدیک اے ہمارے رب! اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے: ہم کیوں راضی نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا میں تمہیں اس سے افضل عطا نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اس سے افضل کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا نازل کرتا ہوں، اس کے بعد میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا'' (2)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رضا آرزؤں کی غایت ہے۔ صوفیہ نے اس کی تحقیق میں یہ اشعار کہے ہیں:

امتحن الله به خلقه فالنار والجنة فی قبضته

فهجره أعظم من نارهِ ووَصْلُهُ أَطْيَبُ من جَنَّتِه

اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنی مخلوق کا امتحان لیا آگ اور جنت اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس کا فراق اس کی آگ سے بڑھ کر تکلیف دہ ہے اور اس کا وصل اس کی جنت سے اچھا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ۝

''پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے اور اللہ کا فرمان سنو اور اسے مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ بہتر ہے تمہارے لئے، اور جنہیں بچا لیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا تمہارے لئے اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان (اور) بہت حلم والا ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اہل تاویل کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ آیت اس آیت اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: 102) کے لئے ناسخ ہے۔ ان میں قتادہ، ربیع بن انس، سدی اور ابن زید ہیں۔ طبری نے ذکر کیا ہے: مجھے یونس بن عبد الاعلیٰ نے اور انہیں ابن وہب نے انہیں ابن زید نے خبر دی کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: 102) کے ارشاد سے شدید امر آیا صحابہ نے کہا: اس کی قدر کون پہچان سکتا ہے یا کوئی اس تک پہنچ سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہچان لیا کہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار، جلد 2 صفحہ 969
2۔ احکام القرآن لابن العربی

یہ امر ان پر شدید ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر منسوخ کر دیا اور اس آیت کے بدلے دوسری آیت لایا، وہ یہ آیت ہے فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محکم ہے اس میں کوئی نسخ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ منسوخ نہیں لیکن حَقَّ تُقٰتِہٖ کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کرے جیسے جہاد کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں گرفت میں نہیں لیتی، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انصاف کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں خواہ انصاف ان کے خلاف ہو ان کے آباء کے خلاف ہو اور ان کے بیٹوں کے خلاف ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اگر یہ کہا جائے: جب یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان جو سورۂ تغابن میں ہے فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کا کیا معنی ہے تو یہ کیسے جائز ہوگا کہ اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (آل عمران: 102) اور فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ جمع ہو جائیں جبکہ اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ ایسا امر ہے جو بغیر کسی خصوص کے ثابت ہے اور ان میں کوئی شرط بھی نہیں اور فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ایسا امر ہے جو شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ تو اسے کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اس سے مختلف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کا معنی ہے اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تاڑ میں رہو ان چیزوں میں جو تمہارے لئے فتنہ بنا دی گئی ہیں وہ تمہارے مالوں میں سے ہو اور تمہاری اولاد سے ہو کہ کہیں وہ فتنہ تم پر غالب ہی نہ آ جائے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو تم پر واجب ہے اس سے تمہیں روک نہ دے جیسے کفر کے علاقہ سے اسلام کی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔ جس قدر تم طاقت رکھتے ہو تو تم ہجرت کو ترک کر دو، معنی ہے تم ہجرت کی طاقت رکھتے ہو۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو معذور جانا ہے جو ہجرت کی طاقت نہ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۙ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ (النساء: 99)

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جو آدمی حیلہ نہیں رکھتا اور دار شرک میں رہنے کی وجہ سے کوئی راہ نہیں پاتا تو اسے معافی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ بھی ہجرت کے بارے میں ہے کہ دار شرک سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرو تو تم اپنے اموال اور اولاد کے فتنہ کی وجہ سے ترک کرو؛ جو چیز اس کی صحت پر دال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ جو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ کے بعد آیا ہے۔

قرآن حکیم کی تاویل کرنے والے اہل علم اسلاف میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت ایسے افراد کے بارے میں نازل ہوئیں جنہوں نے دار شرک سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرنے میں تاخیر کی کیونکہ ان کی اولادوں نے انہیں روک لیا تھا جس طرح پہلے گزر چکا ہے؛ یہ سب طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ سے مراد ہے یہ نفلی عبادات اور صدقہ کے بارے میں ہے کیونکہ جب اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (آل عمران: 102) آیت نازل ہوئی تو یہ حکم قوم

پر بڑا سخت واقع ہوا انہوں نے قیام کیا یہاں تک کہ ان کی پنڈلیاں سوج گئیں، ان کی پیشانیاں زخمی ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں تخفیف کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی **فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** تو پہلی آیت منسوخ ہو گئی؛ یہ ابن جبیر نے کہا: ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے اگر یہ قول ثابت نہ ہو کہ جس آدمی کو نافرمانی پر مجبور کیا جائے تو اس کا مواخذہ نہ ہو کیونکہ وہ تقوی کی استطاعت نہیں رکھتا تھا(1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا جو تمہیں وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اس کو سنو اور جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور جس سے تمہیں روکا جاتا ہے اس کی اطاعت کرو۔ مقاتل نے کہا: اللہ کی کتاب میں سے جو تم پر نازل کی جاتی ہے اسے غور سے سنو، سماع میں یہی اصل ہے اللہ تعالیٰ کا رسول جو تمہیں حکم دے اور جس سے تمہیں منع کرے اس کی اطاعت کرو۔ قتادہ نے کہا: ان دونوں امور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی گئی کہ امر و نہی کو سنا بھی جا سکتا اور طاعت بھی کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اسْمَعُوْا** کا معنی ہے جو تم سنتے ہوا سے قبول کرو۔ اسے سماع سے تعبیر کیا ہے کیونکہ قبول کرنا سماع کا فائدہ ہے۔

میں کہتا ہوں: حجاج نے اس آیت کی تعبیر میں اپنی جانب سے معنی گھسیڑا جب اس نے اس آیت کی تلاوت کی اور اسے عبدالملک بن مروان پر منطبق کیا کہا: **فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا** یہ عبدالملک بن مروان جو امین اللہ اور اس کا خلیفہ ہے کے بارے میں ہے اس میں کوئی استثناء نہیں اللہ کی قسم! اگر میں کسی کو حکم دوں کہ وہ مسجد کے دروازے سے باہر نکلے تو وہ کسی اور جگہ سے نکلے تو اس کا خون میرے لئے حلال ہو جائے گا(☆)۔ اس نے آیت کی تاویل کرنے میں جھوٹ بولا کیوں نہیں یہ اولاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولی الامر کے لئے ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ** (النساء: 59)

مسئلہ نمبر 4۔ وَ اَنْفِقُوْا ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد زکوۃ ہے(2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد نفلی صدقہ ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد جہاد میں نفقہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انسان کا اپنی ذات کے لئے نفقہ ہے(3)۔ ابن عربی نے کہا: **لِّاَنْفُسِكُمْ** کے الفاظ نے اس سے یہ قول کروایا ہے اور اس پر یہ امر مخفی رہا کہ نفقہ میں فرض اور نفل سب اپنی ذات کے لئے ہی نفقہ ہوتا ہے(4) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا** (الاسراء: 7) انسان بھلائی میں سے جو بھی فعل کرتا ہے وہ اپنے لئے ہی کرتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حکم عام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: میرے پاس ایک دینار ہے۔ فرمایا: ''اسے اپنی ذات پر خرچ کر''۔ اس نے عرض کی: میرے پاس دوسرا ہے۔ فرمایا: ''اسے اپنے گھر والوں پر خرچ کر''۔ عرض کی: میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا: ''اسے اپنی اولاد پر خرچ کر''۔ عرض کی میرے پاس ایک اور دینار

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 26

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1822

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 166

4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1822

☆۔ سنن ابی داؤد، باب فی الخلفاء، حدیث نمبر 4025، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ فرمایا: ”اسے صدقہ کر دے“ (☆)۔ پہلے ذات، اہل اور اولاد کا ذکر کیا اور صدقہ کو بعد میں رکھا، شرع میں یہی اصل ہے

مسئلہ نمبر 5۔ خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ۔ خیرا سیبویہ کے نزدیک فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اس پر اَنْفِقُوْا دلالت کرتا ہے گویا فرمایا: ایتوا فی الانفاق خیرا لانفسکم یا قدموا خیر الانفسکم۔ کسائی اور فراء کے نزدیک یہ مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے انفقوا انفاقا خیرء الانفسکم ابو عبیدہ کے نزدیک یہ کان مضمرہ کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یکن خیرا لکم جس نے خیر سے مراد مال لیا ہے تو یہ انفقوا کی وجہ سے منصوب ہے۔

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے اس طرح اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْہُ لَکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ کے بارے میں سورۂ بقرہ اور سورۂ حدید میں بحث گزر چکی ہے۔ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ۝ شکر کے بارے میں بحث سورۃ البقرۃ میں گزر چکی ہے۔ حلیم اسے کہتے ہیں جو جلد بازی نہیں کرتا۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۝۱۸

”ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے سب پر غالب بڑا دانا ہے“۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ جو غائب ہے اور جو حاضر ہے اس کو جاننے والا ہے الْعَزِیْزُ وہ غالب وقاہر ہے یہ صفات افعال میں سے ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۝ (الزمر) اس اللہ کی جانب سے جو قادر محکم ہے تمام اشیاء کا خالق ہے۔ خطابی نے کہا: بعض اوقات یہ لفظ نفاست قدر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس معنی میں کہا جاتا ہے۔ عزیعزاس تعبیر کی بنا پر عزیز کا معنی اسے بھی شامل ہوتا ہے کہ اس کے ہم پلہ کوئی چیز نہیں اور اس کی مثل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ الْحَکِیْمُ وہ اپنی مخلوق کی تدبیر میں حکیم ہے۔ ابن انباری نے کہا: حکیم سے مراد اشیا کو پیدا کرنے میں محکم ہے اسے فعیل کی طرف پھیرا گیا ہے، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ۝ (یونس) یہاں بھی اس کا معنی محکم ہے اسے فعیل کی طرف پھیرا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سنن ابی داؤد، باب فی صلۃ الرحم، حدیث نمبر 1441، ضیاء القرآن پبلی کیشنز